

مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کی تبلیغی مساعی کا مطالعہ

*فریدہ کا کڑ

ABSTRACT

Prophet Muhammad (PBUH) was sent as a preacher for the whole world. He called the people towards Islam. Some people were misled, they did not accept Islam till the last time but caused difficulties for Muslims. Instead of these difficulties Muhammad (PBUH) did not left His goal. In the starting of Islam He preached secretly. After three years He preached openly. After that pagans of Macca became enemies of Prophet (PBUH). They created various barriers for Prophet Muhammad (PBUH) so He prevent the preaching of Islam. But he was stable. Prophet (PBUH) was discouraged by pagans of Macca, He went to outside of Macca. Besides Prophet (PBUH) visited festival, markets and bazars for preaching. He presented the Islam in front of tribe of Arab. At last He migrated to Madina. The explanation of difficulties, sufferings and behavior of the Prophet Muhammad is a lesson for preachers. Thus this research declare the Prophet Muhammad's preaching rules and regulations. So the invitee act on these rules could the preaching with ease.

Key words: Preacher, Islam, Difficulties, Migrated, Muhammad.

تعارف:

عبادت کے طریقوں کو سکھانے کے لیے اللہ نے بہت سے پیغمبر بھیجے ہیں۔ ہر پیغمبر کے ساتھ اپنا دین بھیجا۔ لیکن آخری پیغمبر محمد ﷺ تھے، جن پر دین اسلام مکمل کیا۔ اور ان کو سارے لوگوں کے لیے بھیجا۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو۔^(۱) آپ کا دین اسلام ایک دعوتی دین ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب قدیم ہوں یا جدید ہوں یا تو غیر دعوتی ہیں یا پھر ان کی دعوت نسلی، لسانی یا جغرافیائی حدود میں مقید ہے۔ صرف اسلام ہے جو عالمی و دائمی پیغام کا حامل ہے۔ اسی لیے اس کے لانے والے حضرت محمدؐ کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا گیا۔ اور انہیں بعثت کے بعد جو پہلا حکم دیا گیا وہ دعوت و تبلیغ کا تھا۔ کہ اٹھو اور آپ کے گرد و پیش خدا کے جو بندے خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو ڈرا دو۔ انہیں خبردار کرو کہ وہ کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے ہیں جس میں وہ اپنی مرضی سے جو کچھ چاہے کرتے رہیں۔ اور ان کے کسی عمل کی کوئی باز پرس نہ ہو۔ اس زمانے میں آپؐ خفیہ تبلیغ کرتے تھے۔ اس کے بعد آپؐ کو اپنے

* محاضر شعبہ علوم اسلامیہ سردار بہادر خان جامعہ خواتین، بلوچستان، کوئٹہ

قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا اس حکم کے نزول کے بعد آپؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو کھانے کے لیے بلایا اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اعلانیہ تبلیغ کا حکم دیا۔ آپؐ نے قریش مکہ کو کوہ صفا پر بلایا۔ آپؐ کو تبلیغ کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً مکی زندگی میں مشرکین مکہ نے آپؐ کو بہت تنگ کیا۔ لیکن ساتھ ساتھ اللہ پاک آپؐ کو تبلیغ کو حکم دیتے رہے جیسے فرمان الہی ہے: یا ایہا الرسول بدع ما انزل الیک من ربک۔ اے رسولؐ جو آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجیے^(۲)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تبلیغ کا تاکید حکم دیا گیا کہ جو کچھ آپؐ پر اللہ کی طرف سے نازل کیا جائے وہ سب کا سب بغیر کسی جھجک کے آپؐ لوگوں کو پہنچادیں۔ رسولؐ نے اللہ کے اس حکم کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اپنی پوری زندگی دعوت و تبلیغ میں صرف کر دی۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق تبلیغ کرتے رہے۔ چونکہ آغاز اسلام میں تبلیغ کے لیے ماحول ناسازگار تھا، مکہ میں مسلمان کمزور اور افرادی قوت میں کم تھے۔ مکہ والوں نے آپؐ کو اتنا تنگ کیا کہ آپؐ یہاں سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ آپؐ کو مدینہ میں دعوت و تبلیغ کا اچھا موقع مل گیا یہاں تک کہ آپؐ کی طرف لوگ خود اسلام قبول کرنے آنے لگے۔ صحابہ کرامؓ کو مختلف علاقوں میں بھیجا۔ خطوط کے ذریعے بھی آپؐ نے دعوت دی۔ آپؐ کے اچھے انداز تبلیغ ہی سے اسلام پھیل گیا۔ آپؐ نے تبلیغ کا فریضہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی امت پر ڈالا۔ چونکہ آپؐ کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت ہونے والی نہیں تھی۔ اس لیے مخلوق کی رہنمائی اور اتمام حجت کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے آپؐ کی امت پر ڈال دی گئی ہے۔

بعثت نبویؐ اور دعوت کا آغاز:

مشرکین جن کا دعویٰ تھا کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں، شریعت ابراہیمی کے اوامر و نواہی سے کوسوں دور تھے۔ اس شریعت نے جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی تھی ان سے ان مشرکین کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس صورت حال میں رسول اللہؐ کی بعثت اور آپؐ کی دعوت وقت کی آواز بن گئی۔ غرض ایک طرف تو حالات کے رخ نے لوگوں کے اذہان و قلوب میں مد و جزر پیدا کیا اور دوسری طرف اہل کتاب کی وساطت سے یہ روایات عرب میں بالعموم اور مکہ میں بالخصوص عام تھیں کہ ایک نئے نبی کی بعثت ہونے والی ہے رسول اللہؐ سے پہلے جو انبیاء و رسل اس دنیا کے مختلف حصوں میں تشریف لائے انہوں نے متواتر یہ خوشخبری سنائی کہ ایک نبی رحمت ﷺ کی آخر کار بعثت ہوگی۔ آپؐ کی بعثت کا آغاز سچے خواب سے ہوا۔ ابن اسحاق حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:

”پہلی چیز جس سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی ابتدا کی گئی وہ سچے خواب تھے۔ جب اللہ

تعالیٰ نے آپؐ کی بزرگی کا اظہار اور آپؐ کے ذریعے بندوں پر رحمت کرنی چاہی تو رسول اللہؐ

نیند میں جو خواب دیکھتے وہ صبح صادق کی طرح ظاہر ہوتے ام المومنین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تنہائی آپ کے لیے محبوب بنا دی تھی اور کوئی چیز آپ کو تنہائی میں رہنے سے زیادہ پسندیدہ نہ رہی تھی۔“ (۳)

جوں جوں آپ کی عمر چالیس سال کے قریب ہوتی گئی تنہائی اور خلوت نشینی بڑھتی گئی۔ اکثر آپ سستو اور پانی اپنے ہمراہ لے کر ہر سال رمضان کے مہینے میں غار حرا میں چلے جاتے اور کئی دن تک وہاں عبادت اور ذکر الہی میں مصروف ہو جاتے۔ نبی ﷺ کی یہ تنہائی پسندی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو آنے والے کارِ عظیم کے لیے تیار کر رہا تھا۔ درحقیقت جس روح کے لیے بھی یہ مقدر ہو کہ وہ انسانی زندگی کے حقائق پر اثر انداز ہو کر ان کا رخ بدل ڈالے اس کے لیے ضروری ہے کہ زمین کے مشاغل اور دنیا سے کٹ کر کچھ عرصے کے لیے الگ تھلگ اور خلوت نشین رہے۔ ایک دن آپ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے۔ ایک فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ کو سلام کیا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

”ترجمہ: وہ کہنے لگے پڑھئے! آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں جبریلؑ نے یہ سن کر مجھے اتنا دبایا کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی (یا انہوں نے اپنا زور ختم کر دیا) پھر چھوڑ دیا اور کہنے لگے پڑھیے میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں ہوں انہوں نے مجھے دوبارہ اتنا دبایا کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی پھر چھوڑ دیا اور کہنے لگے پڑھیے! میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، تیسری بار پھر زور سے دبایا اور مجھے تکلیف محسوس ہوئی پھر چھوڑ کر کہا اقرا باسم ربك الذی خلق (سورۃ علق) یعنی اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے ہر چیز پیدا کی مالم یعلم تک۔“ (۴)

اس کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لائے اور بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی تھی آتے ہی حضرت خدیجہ سے فرمایا ”زملونی زملونی مجھ کو کچھ اڑھاؤ۔ مجھ کو کچھ اڑھاؤ“ جب کچھ دیر کے بعد وہ گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی تو تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا اور حضرت خدیجہؓ سے اپنی جان نکلنے کا تذکرہ بھی کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ سے کہا:

”خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا آپ بالکل خوش رہیے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں فرمائے گا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں (ہمیشہ) سچی بات کیا کرتے ہیں لوگوں کے بوجھ (قرض وغیرہ) اپنے ذمے لے لیتے ہیں (ادا کرتے ہیں) مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ خدا کے راستے میں تکالیف اٹھانے والے لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔“ (۵)

اس تسلی و تشفی دینے کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جس نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ آپ گھر واپس آ گئے اور وحی کا آنا چند روز کے لیے رک گیا تا کہ دل سے گذشتہ دہشت اور خوف دور ہو جائے اور آئندہ وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔

خفیہ تبلیغ اور اس کی حکمت و اثرات:

خفیہ دعوت کا زمانہ تین سال ہے۔ نزول اقرء وحی کا پہلا تجربہ تھا جو اچانک حضور کو پیش آیا تھا۔ اس پیغام میں آپ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ آپ کس کارِ عظیم پر مامور ہوئے ہیں اور آگے کیا کچھ کرنا ہے۔ بلکہ ایک ابتدائی تعارف کروا کے آپ کو کچھ مدت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ تاکہ آپ کی طبیعت پر جو شدید بار اس پہلے تجربہ سے ہوا ہے اس کا اثر دور ہو جائے اور آپ ذہنی طور پر آئندہ وحی وصول کرنے اور نبوت کے فرائض سنبھالنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر کچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا پھر جب فترۃ الوحی کا زمانہ ختم ہوا اور سورۃ مدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں۔ جن میں حضور کو منصب رسالت پر مامور کر کے وہ ضروری ہدایات دی گئیں جو اس منصب کے فرائض ادا کرنے کے لیے درکار تھیں تو آپ نے انہی ہدایات ربانی کی روشنی میں دعوت کا آغاز فرمایا۔

ایک دن آپ غارِ حرا سے گھر واپس آرہے تھے کہ حضرت جبریلؑ کو آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ اس سے خوف زدہ ہو گئے اور گھر آگئے اپنے اہل خانہ سے چادر اوڑھنے کا کہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغ کا حکم دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

ترجمہ: ”اے لحاف میں لپٹنے والے کھڑا ہو پھر ڈر سنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے، اور اپنے رب سے امید رکھ۔“ (۶)

یہ دعوت و تبلیغ کی ابتدائی آیات ہیں اس موقع پر آپ کو یا ایہا النبی کہہ کر مخاطب کرنے کی بجائے یا ایہا المحدث کہہ کر اس لیے مخاطب کیا کہ اے میرے پیارے بندے تم اوڑھ لپیٹ کر کہاں گئے، آپ پر تو ایک بہت بڑے کام کا بار ڈالا گیا ہے جسے انجام دینے کے لیے تمہیں پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ تم فاندز، سے مراد یہ ہے کہ اٹھو اور تمہارے گرد و پیش خدا کے جو بندے خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان کو چونکا دو۔ انہیں اس انجام سے ڈراؤ جس سے یقیناً وہ دوچار ہوں گے اگر اسی حالت میں مبتلا رہے۔ انہیں خبردار کر دو کہ وہ کسی اندھیر نگری میں نہیں رہتے ہیں جس میں وہ اپنی مرضی سے جو کچھ چاہیں کرتے رہیں اور ان کے کسی عمل کی کوئی باز پرس نہ ہو۔ و ربك فكذب، یعنی صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے قول سے بھی، عمل سے بھی۔ تبلیغ میں سب سے پہلی چیز توحید ہے اور آگے بعض ضروری اعمال و عقائد و اخلاق کی تعلیم ہے جس پر خود بھی عامل رہنا چاہیے کہ تبلیغ کے ساتھ اپنی اصلاح بھی ضروری ہے یعنی ایک تو اپنے کپڑوں کو پاک رکھے یہ اعمال میں سے ہے اور چونکہ بالکل ابتدا میں نماز نہ تھی اس لیے اس کا حکم نہیں ہوا اور دوسرے یہ کہ بتوں سے الگ رہو جس طرح اب تک الگ ہو۔ یہ

عقائد میں سے ہیں یعنی بدستور سابق توحید پر دوام رکھو اور یہ کہا کہ انداز و تبلیغ میں جو ایذا پیش آئے اس پر اپنے رب کی خوشنودی کے واسطے صبر کیجیے۔

دعوت کا آغاز مکہ سے ہوا جو کہ دین عرب کا مرکز تھا۔ یہاں کعبہ کے پاسبان بھی تھے اور ان بتوں کے نگہبان بھی جنہیں پورا عرب تقدیس کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس لیے کسی دور علاقے کی نسبت مکہ میں مقصد اصلاح زیادہ دشوار تھی۔ مشرکین کا غلبہ تھا برائیاں بہت زیادہ اور عام تھیں۔ اس کیفیت کے پیش نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت و تبلیغ کا کام خفیہ اور پس پردہ انجام دیا جائے، تاکہ ابتدائی مرحلے میں ہی مشکلات درپیش نہ ہوں۔ اسلام قبول کرنے والے اولین افراد:

رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے ان لوگوں پر اسلام پیش کرتے جن سے آپ ﷺ کا سب سے گہرا ربط و تعلق تھا اور جو آپ ﷺ کی سیرت و کردار سے واقف تھے۔ یعنی اپنے گھر کے لوگوں اور دوستوں پر۔ عورتوں میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیوی نے اسلام قبول کیا۔ اور ان چیزوں کی تصدیق کی جو آپ ﷺ کے پاس اللہ عز و جل کے پاس سے آئی تھیں اور آپ ﷺ کے معاملے میں انہوں نے آپ ﷺ کی مدد کی۔ بچوں میں سے حضرت علیؑ نے اسلام قبول کیا۔ ابن اسحاق نے فرمایا ”پہلا مرد جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور اس چیز کی تصدیق کی جو آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئی تھی۔ علیؑ بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم تھے۔“ (۷) غلاموں میں حضرت زیدؑ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے جن سے رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت علیؑ کے بعد آپ ﷺ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت زیدؑ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا آپ ﷺ کا اصل نام عبد الکعبہ تھا۔ اسلام لانے کے بعد آپ ﷺ نے آپ ﷺ کا نام عبد اللہ رکھا۔ اور آپ ﷺ کا لقب عتیق تھا اور یہ لقب ان کی خوبصورتی اور شرافت کے سبب سے مشہور ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کے بعد فرداً فرداً اپنے انتہائی قریبی افراد، جن سے آپ ﷺ کا خصوصی تعلق تھا ملاقات فرماتے اور دین حق کی طرف دعوت دیتے۔ ان میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کے قریبی دوست حضرت ابو بکرؓ تھے۔ آنحضور اکرم ﷺ نے جب حضرت ابو بکرؓ پر اسلام پیش کیا تو آپ ﷺ نے بغیر ہچکچاہٹ کے فوراً اسلام قبول کیا۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے:

ترجمہ: ”میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس کے ہاں اسلام کے قبول کرنے میں ایک طرح کی تاخیر، سوچ و بچار اور پس و پیش تھا۔ سوائے ابو بکر بن ابی قحافہ کی حالت کے کہ جب میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو نہ انہوں نے اس میں تاخیر کی اور نہ پس و پیش کیا۔“ (۸)

دعوت و تبلیغ کا پہلا مرکز دار ارقم:

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر افراد کی ایک خاصی تعداد دولت ایمان سے مشرف ہو چکی تھی۔ مگر کوئی ایسی جگہ نہ تھی، جہاں وہ ایک دوسرے سے اکٹھے مل سکیں اور اسلام کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ وہ خفیہ طریقے سے

مشرکین سے چھپ کر مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز ادا کرتے تھے۔ پس پردہ دعوت کو شروع ہوتے ہی ڈھائی سال سے کچھ زیادہ مدت ہی گزری تھی کہ حضورؐ نے حضرت ارقم بن ابی ارقم کے مکان کو، جو صفا کے قریب واقع تھا، مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا تاکہ مسلمان یہیں جمع ہو کر نماز بھی پڑھیں اور جو لوگ خفیہ طریقہ سے مسلمان ہوتے جائیں وہ یہاں آتے رہیں۔ آپ دعوت و تبلیغ اور نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے وہاں مخصوص اوقات میں قیام فرماتے تھے۔ اس دوران مکہ کے مسلمان وہاں جمع ہو کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے، قرآن و نماز پڑھتے اور اخلاق فاضلہ سیکھتے اور وہیں حق کے متلاشی غیر مسلم خواہ مکہ کے ہوں یا باہر کے از خود یا مسلمانوں میں سے کسی کے توسط سے حاضر ہوتے اور آپ کی دعوت سنتے۔ دار ارقم خفیہ تبلیغ کے زمانے میں اسلامی دعوت کا مرکز تو رہا، اعلانیہ دعوت کے اولین تین برسوں تک حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبول اسلام کے عظیم الشان اور عہد ساز واقعہ تک واحد مرکز رہا۔

خفیہ دعوت کے تین سال میں جو کام ہوا ہے یعنی جن لوگوں اور قبیلوں نے اسلام قبول کیا ہے، مولانا مودودی کے بقول ان لوگوں کی کل تعداد ۱۳۳ بن جاتی ہے۔^(۹) جو حضورؐ کی دعوت عام شروع ہونے سے پہلے آپؐ پر ایمان لا کر جماعت مسلمین میں شامل ہو چکے تھے۔ یہ وہ صحیح الفکر اور سلیم الفطرت لوگ تھے جنہوں نے محض دلیل اور افہام و تفہیم سے شرک کی برائی کو سمجھا۔ توحید کی حقیقت کو مانا، محمدؐ کو خدا کا آخری رسول اور پیغمبر تسلیم کیا۔ آخری کتاب قرآن کریم کو اپنے لیے سرچشمہ ہدایت قرار دیا۔ اور آخرت کی زندگی کو یقینی حقیقت سمجھا۔ آخرت کی زندگی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا دیا۔

آنحضور ﷺ کے اعلانیہ تبلیغ کا اسلوب اور قریش کی رکاوٹیں:

رسول اللہ ﷺ ابتدا میں پوشیدہ طریقے سے دعوت حق پیش کرتے رہے۔ جب بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور ان کا ایمان لانا مشہور ہو گیا، طریقے پر شروع کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ علی الاعلان دعوت کا فریضہ سرانجام دیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔

جب اظہار دعوت کا حکم ہوا تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔

ترجمہ: ”آپؐ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو (عذاب الہی) سے ڈرایے۔“^(۱۰)

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہؐ نے پہلا کام یہ کیا کہ بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان کے ساتھ بنی عبدالمطلب بن عبد مناف کی بھی ایک جماعت تھی۔ یہ لوگ تقریباً چالیس پینتالیس تھے۔ اس مجلس میں آپؐ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابو لہب بھی شامل تھے۔ پہلے دن ابو لہب کے کہنے پر لوگ متفرق ہو گئے اور آپؐ کو کچھ فرمانے کی

نوبت نہ آئی۔ اسی طرح دوسرے روز سب جمع ہوئے جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے سب سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی، اچھا اور برار راستہ بتایا۔ موت اور جہنم سے ڈرایا۔ اسی طرح سیدھا راستہ اختیار کرنے والوں کے متعلق جنت کے آسائشات کے بارے میں بتایا۔ حضور ﷺ کے اس دعوتی خطاب کے جواب میں جناب ابو طالب نے آپؐ کی مدد اور حفاظت کرنے کا وعدہ کیا۔

کوہ صفا پر اعلان نبوت:

جب آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ فاصدع بما تو امر^(۱۱) اسی طرح جب رسول اللہؐ نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ اللہ کے دین کی تبلیغ کے دوران ابو طالب ان کی حمایت کریں گے تو ایک روز آپؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی۔ (یا صباحا) ہائے صبح کا خطرہ۔ یہ پکار سن کر قریش کے قبائل آپؐ کے پاس جمع ہو گئے۔ اگر کوئی آدمی خود نہ جا سکا تو اپنا قاصد بھیج دیتا کہ دیکھے کہ معاملہ کیا ہے۔ غرض قریش آگئے ابو لہب بھی آگیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

”لوگو! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن کے سوار اس پہاڑ سے تمہاری طرف آرہے ہیں تو تم یقین کرو گے؟ انہوں نے کہا (بے شک) کیوں کہ ہم نے آج تک آپؐ کو جھوٹ بولنے نہیں سنا۔ آپؐ نے فرمایا (میری بات سنو) میں تمہیں (موت کے بعد) آنے والے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔“^(۱۲)

اس اجتماع میں ابو لہب بھی جو سخت برہم ہو گئے تھے اور آپؐ کو برا کہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابو لہب کے بارے میں سورۃ لہب نازل کی جس میں ابو لہب کی مذمت کی گئی۔ فرمایا گیا ”ٹوٹ گئے ابو لہب کے ہاتھ“ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی ام جمیل کے بارے میں حمالة الحطب (لکڑیاں ڈھونے والی، یا لگائی بجھائی کرنے والی) کہا گیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے قریش کو دعوت دی اور ان کے عام اور خاص تمام جمع ہو گئے۔ تو آپؐ نے فرمایا:

”اے کعب بن لؤئی کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے مرہ بن کعب کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے عبد شمس کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے ہاشم کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے فاطمہؓ

اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اس لیے کہ میں اللہ کے سامنے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم جو ناسا مجھ سے رکھتے ہو، اس کو میں جوڑتا رہوں گا۔“ (۱۳)

رسول اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا عذاب سب کے لیے یکساں ہے۔ اس میں نبی تک کی ذات اور اس کے قریب ترین عزیزوں کے لیے بھی رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہاں جس کے ساتھ بھی کوئی معاملہ ہے اس کے اوصاف کے لحاظ سے ہے۔ کسی کا نسب اور کسی کے ساتھ آدمی کا تعلق کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ مگر ابی و بد عملی پر خدا کے عذاب کا خوف سب کے لیے یکساں ہے۔ اس لیے حضور نے اس خطاب میں خود اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نام بھی لیا، حالانکہ ان کی عمر اس وقت دو ڈھائی سال سے زیادہ نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ سرے سے مکلف ہی نہ تھیں کہ ان کے بارے میں کسی عذاب یا ثواب کا سوال پیدا ہوتا۔ لیکن اس کلام سے یہ مقصد واضح کرنا تھا کہ دین میں نبی اور اس کے خاندان کے لیے کوئی امتیازی مراعات نہیں ہیں، جن سے دوسرے محروم ہوں۔ نبی کا کام یہ ہے کہ سب سے پہلے برائی سے خود بچے اور اپنے قریبی لوگوں کو اس سے ڈرائے، پھر ہر خاص و عام کو متنبہ کر دے۔

دعوت دین میں قریش کی رکاوٹیں اور آپ کی مستقل مزاجی:

آپ تین سال تک خفیہ طریقے سے تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد اللہ کے حکم سے اعلانیہ تبلیغ شروع کی۔ ابن ہشام فرماتے ہیں:

”جب رسول اللہ نے اپنی قوم پر اسلام کا اظہار کیا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا اس کا اظہار مفصل اور اعلانیہ فرمایا۔ آپ کی قوم نے آپ سے نہ دوری اختیار کی نہ آپ کا رد کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے ان کے بتوں کی حالت بیان فرمائی اور ان کی برائیاں بتائیں۔ جب آپ نے ایسا کیا تو انہوں نے اس معاملے کو اہمیت دی اور آپ سے اجنبیت برتنے لگے اور آپ کی مخالفت اور دشمنی میں ایک دل ہو گئے۔ بجز ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اسلام کے لیے محفوظ کر لیا تھا اور ایسے لوگ تھوڑے اور چھپے ہوئے تھے۔“ (۱۴)

قریش نے آنحضرتؐ کا راستہ روکنے کے لیے مختلف کوششیں کیں۔ لیکن دوسری طرف وہ ایک ایسے شخص کے مخالف تھے جو صادق اور امین تھے اور انسانی اقدار و مکارم اخلاق کا مکمل نمونہ تھا اور ایک طویل عرصے سے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہ دیکھی تھی اور نہ سنی۔ وہ ان کے معبودوں کی عیب جوئی سے باز

نہیں آتے اور دوسری طرف آپ کے چچا ابوطالب آپ پر مہربان اور آپ کے لیے سینہ سپر تھے اور آپ کو ان کے حوالے نہیں کرتے۔ قریش آپ کا مقابلہ کرنے سے گریزاں تھے۔ کافی غور و خوض کے بعد ایک راستہ سمجھ میں آیا کہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس جائیں اور مطالبہ کریں کہ وہ آپ کو آپ کے کام سے روک دیں۔ ابوطالب حضور ﷺ کے لیے ایک چٹان کی طرح تھے۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانی ”النبی الخاتم“ میں لکھتے ہیں:

”اس کے لیے زیادہ لمبی چوڑی کوششوں کی حاجت نہیں بلکہ ان کی ظاہری آنکھوں کے سامنے اس کی جو سب سے بڑی چٹان تھی، جس پر اگرچہ وہ خود ٹیک لگائے ہوئے نہیں تھا، لیکن وہ یہی باور کرتے تھے کہ اس کی سب سے بڑی ٹیک اس کا چچا ابوطالب ہے۔ طے کیا گیا کہ بس اسی چٹان کو جس طرح بن پڑے، کسی طرح اس کے قدموں کے نیچے سے سر کالو، یقین تھا کہ اسی کے ساتھ وہ اور اس کا دعویٰ دونوں ہی سر بسجود ہو جائیں گے، جو کچھ ممکن تھا اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے کیا۔“ (۱۵)

جب قریش نے یہ سمجھ لیا کہ ابوطالب نے رسول اللہ کی امداد نہ دینے سے بھی انکار کر دیا اور آپ کو ان کے حوالہ کرنے سے بھی اور اس معاملے میں ان سب سے الگ ہو جانے اور ان سب کی مخالفت پر ان کا عزم مصمم دیکھا تو ولید بن مغیرہ کو لے کر ابوطالب کے پاس گئے اور محمد ﷺ کے لینے کا مطالبہ کیا مگر ابوطالب نے اسے بھی رد کیا۔ ابوطالب نے جب قریش کا ساتھ نہیں دیا، تو اس کے بعد معاملے نے شدت اختیار کر لی۔ اور رسول اللہ کے اصحاب میں سے ان افراد کے خلاف جنہوں نے آپ کے ساتھ اسلام اختیار کر لیا تھا اور قریش کے قبیلوں میں رہا کرتے تھے قریش نے ایک دوسرے کو ابھارا تو ہر ایک قبیلہ اپنے مسلمانوں پر پل پڑا اور وہ انہیں ایذا نہیں دینے لگے اور ان کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی تدبیریں کرنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو آپ کے چچا ابوطالب کے سبب سے محفوظ رکھا۔ قریش نے جب دیکھا کہ مذکورہ کارروائیاں اسلامی دعوت کی راہ روکنے میں مؤثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں تو ایک بار پھر جمع ہوئے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ”رحمۃ للعالمین“ میں لکھتے ہیں:

”قریش مکہ نے، نبی ﷺ اور مسلمانوں پر جو جو رستم کیے تھے، اسے ہنوز ناکافی سمجھا، اس لیے بجائے متفرق کوششوں کے باقاعدہ کمیٹیاں بنائی گئیں۔ ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا امیر مجلس ابولہب تھا اور مکہ کے ۲۵ سردار اس کے ممبر تھے۔“ (۱۶)

قریش کی اس کمیٹی نے باہمی مشورے اور غور و خوض کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ایک فیصلہ کن قرارداد منظور کی۔ یعنی یہ طے کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جور و ستم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے۔ مشرکین نے یہ قرارداد طے کر کے اسے عملی جامہ پہنانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مسلمانوں اور خصوصاً کمزور مسلمانوں کے خلاف یہ کام بہت آسان تھا، لیکن رسول اللہ کے لحاظ سے بڑی مشکلات تھیں۔ آپ ذاتی طور پر پر شکوہ، باوقار اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ دوست دشمن سبھی آپ کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کے خلاف کسی تیج اور ذلیل حرکت کی جرأت کوئی احمق کر سکتا تھا۔ اس ذاتی عظمت کے علاوہ آپ کو ابوطالب کی حمایت حاصل تھی۔ اس صورت حال نے قریش کو سخت پریشانی اور کشمکش سے دوچار کر رکھا تھا۔ بالآخر مشرکین نے ابولہب کی سربراہی میں نبیؐ اور مسلمانوں پر ظلم و جور کا آغاز کر دیا۔ بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی شادی نبیؐ کی دو صاحبزادیوں رقیہؓ اور کلثومؓ سے کی تھی۔ لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت سختی سے اور درشتی سے ان دونوں کو طلاق دلوا دی۔ ابولہب کے علاوہ حکم بن العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمرہ ثقفی، ابن الصداہنہ ذلی وغیرہ آپ کے پڑوسی تھے اور ان میں سے حکم بن العاص کے علاوہ کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ ان کے ستانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اس طرح ٹکا کر پھینکتا کہ وہ ٹھیک آپ کے اوپر گرتی۔ چولہے پر ہانڈی چڑھائی جاتی تو بچہ دانی اس طرح پھینکتے کہ سیدھے ہانڈی میں جا گرتی۔ آپ اس گندگی کو لکڑی پر اٹھا کر باہر ڈالتے تھے۔ آپ نے مجبور ہو کر ایک گھروں کا بنالیا تا کہ نماز پڑھتے ہوئے ان سے بچ سکیں۔ عقبہ بن ابی معیط اپنی بد

بختی اور خباثت میں اور بڑھا ہوا تھا۔ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی ﷺ سجدے میں تھے، دائیں بائیں قریش کے کچھ لوگ موجود تھے، اتنی دیر میں عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی او جھڑی لے آیا اور اسے نبی ﷺ کی پشت پر ڈال دیا، جس کی وجہ سے نبی ﷺ اپنا سر نہ اٹھا سکے، حضرت فاطمہؓ کو پتہ چلا تو وہ جلدی سے آئیں اور اسے نبی ﷺ کی پشت سے اتار کر دور پھینکا اور یہ گندی حرکت کرنے والے کو بد دعائیں دینے لگیں، نبی ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا اے اللہ! قریش کے ان سرداروں کی پکڑ فرما، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان سب کو دیکھا کہ یہ غزوہ بدر کے موقع پر مارے گئے اور انہیں گھسیٹ کر ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا، سوائے امیہ کے جس کے اعضا کٹ چکے تھے، اسے کنوئیں میں نہیں ڈالا گیا۔“ (۱۴)

امیہ بن خلف کا و تیرہ تھا کہ وہ جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو لعن طعن کرتا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: **وَلِكُلِّ هِزْءٍ لِّهْزَاءٌ** (۱۸) ”ہر لعن طعن اور برائیاں کرنے والے کے لیے تباہی ہے۔“

اخس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ کے ستانے والوں میں سے تھا۔ آپ کو ابوطالب کی حمایت و طاقت حاصل تھی اس کے باوجود بھی آپ کے ساتھ یہ کاروائیاں ہو رہی تھیں۔ باقی رہی وہ کاروائیاں جو مسلمانوں اور خصوصاً ان میں سے بھی کمزور افراد کی ایذا رسانی کے لیے کی جا رہی تھیں تو وہ کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ تھیں۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا اور جس شخص کا کوئی قبیلہ نہ تھا ان پر اباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے جو روستم روار کھے تھے جنہیں سن کر انسان کا دل برداشت نہیں کر سکتا۔

بیرون مکہ دعوت اسلام (سفر طائف):

آنحضور ﷺ کے چچا ابوطالب آپ کی ہر طرح حفاظت کرتے تھے۔ آپ کی خاطر تین سال شعب ابی طالب میں گزارے۔ نبوت کے دسویں سال آپ کے چچا ابوطالب اور آپ کی پہلی زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا انتقال ہوا جو آپ پر بہت شاق گزرا۔ اس سال کو عام الحزن کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ دونوں آپ کے غمگسار اور دین کے خدمت کرنے والے تھے۔ ابوطالب کے انتقال کے بعد آپ کا کوئی حامی اور مددگار نہ رہا۔ اور قریش مکہ کو آپ پر طرح طرح کے ظلم کرنے کا موقع ملا۔ اس لیے آپ نے قریش کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہو کر اخیر شوال ۱۰ نبوی میں طائف کا قصد فرمایا کہ شاید یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کریں اور اس کے دین کے حامی اور مددگار بن جائیں۔ طائف مکہ سے تقریباً ساٹھ میل دور ہے۔ آپ نے یہ مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی تھی۔ آپ زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر گئے۔ راستے میں جس قبیلہ سے گذر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے لیکن کسی نے بھی یہ دعوت قبول نہ کی۔ جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو بنی ثقیف کے ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے جو ان دنوں بنی ثقیف کے سردار اور ان میں سربر آوردہ آدمی تھے اور وہ تین بھائی تھے۔ عبدیلیل بن عمرو بن عمیر، مسعود بن عمرو بن عمیر اور حبیب بن عمرو بن عمیر کے پاس تشریف لے گئے کہ ان لوگوں کا رویہ نہایت نامناسب اور معاندانہ تھا۔ ابن اسحاق محمد بن کعب قرظی سے روایت کرتے ہیں:

”ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ کعبۃ اللہ کا غلاف ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور دوسرے نے کہا کہ رسول بنا کر بھیجنے کے لیے اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور نہیں ملا؟ اور تیسرے نے کہا کہ واللہ! میں تجھ سے کبھی گفتگو نہیں کروں گا اگر جیسا کہ تو کہتا ہے حقیقت میں تو اللہ کی طرف سے تو اس لحاظ سے بڑا خطرناک شخص ہے کہ تجھ سے بات کرنے اور تیرا جواب دینے میں خطرہ ہے اور اگر تو اللہ پر افترا کر رہا ہے تو بھی مجھے لازم ہے کہ تجھ سے بات

نہ کروں۔ تو رسول اللہؐ نے فرمایا: اذ فعلتم ما فعلتم فاکتسبوا عنی۔ جب کہ تم نے (ایسا جواب ادا

کیا) جو کیا (جو تمہیں زیبانہ تھا تو خیر) مجھ سے (جو کچھ سنا ہے اس کو) راز میں رکھو۔“ (۱۹)

رسول اللہؐ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بنی ثقیف کی بھلائی سے مایوس ہو گئے اور رسول اللہؐ نے یہ بات ناپسند فرمائی کہ آپ کے متعلق آپ کی قوم کو ایسی خبریں پہنچیں کہ جن سے ان لوگوں میں نفرت و برگشتگی پیدا ہو۔ ان تینوں نے اس گفتگو کو راز میں نہیں رکھا بلکہ دس دن بعد جب آپؐ نے واپسی کا قصد کیا تو انہوں نے اپنے بے وقوفوں اور غلاموں کو ابھارا۔ اوباش گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے آپؐ کے پیچھے لگ گئے، اور دیکھتے دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ آپؐ کے راستے کے دونوں جانب لائن لگ گئی۔ گالیوں اور بدزبانیوں کے ساتھ ساتھ ظالموں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپؐ کی ایڑی پر اتنے زخم آئے کہ دونوں جوتے خون میں تر ہونے لگے۔ جب آپؐ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپؐ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کر دیتے اور ہنستے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت زیدؓ بن حارثہ ڈھال بن کر چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے جس سے ان کے سر میں کئی جگہ چوٹ آئی۔ بد معاشوں نے یہ سلسلہ برابر جاری رکھا یہاں تک کہ آپؐ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب آپؐ نے یہاں پر پناہ لی تو لوگوں کی یہ بھیڑ واپس چلی گئی۔ آپؐ باغ کے ایک درخت کے سائے میں دم لینے کے لیے بیٹھ گئے اور یہ دعا مانگی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے:

ترجمہ: "یا اللہ! میں اپنی کمزوری، بے تدبیری اور لوگوں میں اپنی ذلت کی شکایت تجھ ہی سے کرتا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے! تو کمزوروں کو ترقی پر پہنچانے والا ہے اور تو میری بھی پرورش کرنے والا ہے تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ (کیا) ایسے دور والے کے جو میرے ساتھ ترش روی سے پیش آتا ہے؟ یا ایسے دشمن کے جس کو میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو پھر میں کوئی پروا نہیں کرتا، مگر تیرا احسان میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہو گیا، اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری خفگی ہو (مجھے) تیری ہی رضامندی کی طلب ہے، حتیٰ کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا کسی میں نہ کوئی ضرر دور کرنے کی قوت ہے اور نہ نفع حاصل کرنے کی۔" (۲۰)

اس دعا کے ایک ایک فقرے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ طائف میں اس بدسلوکی سے دوچار ہونے کے بعد اور کسی ایک شخص کے بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپؐ کس قدر غمگین تھے۔ اور آپؐ کے احساسات پر حزن و الم اور غم و افسوس کا کس قدر غلبہ تھا۔ اتنے ظلم کے باوجود آپؐ نے ان کے لیے بدعا نہیں کی۔ حالانکہ مظلوم اور مسافر کی دعا اللہ

تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے، لیکن آپؐ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ مظلوم بھی تھے، مسافر بھی تھے۔ ایسی دعا کا زبان سے نکلنا تھا کہ اجابت کے دروازے کھل گئے۔ وہی عتبہ اور شیبہ کہ جن کا دل پتھر سے بھی سخت تھا آپؐ کی اس بے کسی اور مظلومیت کو باغ کے اندر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان کے جذبہ قربت میں حرکت پیدا ہوئی اور اللہ نے ان 4 کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اور انہوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو جس کا نام عدا اس تھا بلا کر کہا کہ اس انگور سے ایک گچھا لو۔ اور اس شخص کو دے آؤ۔ جب اس نے انگور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کیا۔ وہ آپؐ ﷺ کے عمل کو دیکھ کر بہت متاثر ہو کر آپؐ پر جھک پڑے اور آپؐ کا سر، ہاتھ اور پیر چومنے لگا۔ دوران سفر جب مقام نخلہ میں تھے، رات کو آپؐ نماز پڑھنے لگے تو آپؐ کے قریب سے جنات کی وہ جماعت گزری۔۔۔ وہ سات جنات نصیبین کے رہنے والے تھے۔ وہ آپؐ کی تلاوت سنتے رہے اور جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ جنات اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے تو اپنی قوم کو ڈرایا اور خود انہوں نے ایمان اختیار کیا اور جو کچھ سنا تھا اس کو قبول کیا۔^(۲۱)

اللہ تعالیٰ نے ان کی خبر آپؐ کو دی قرآن مجید میں ارشاد الہی ہے۔ سورۃ جن میں ہے:

ترجمہ: ”آپؐ کہہ دیں میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا، اور

باہم کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس

پر ایمان لائے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہر گز شریک نہیں کر سکتے۔“^(۲۲)

جب آپؐ بنی ثقیف کے لوگوں سے مایوس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تسلی اور مدد کے لیے جنات کی ایک جماعت نازل کی جنہوں نے آپؐ کی دعوت قبول کر لی۔ اس سے آپؐ کے غم و الم میں کمی ہو گئی۔ آخر آپؐ وہاں سے روانہ ہو کر مکہ کے قریب پہنچ کر کوہ حرا کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر خزاعہ کے ایک آدمی کے ذریعے اخنس بن شریق کو پیغام بھیجا کہ وہ آپؐ کو پناہ دے دے، مگر اخنس نے قریش کے حلیف ہونے کا کہہ کر پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر آپؐ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا تو مطعم نے ہاں کہا اور ہتھیار پہن کر اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور خانہ کعبہ کے گوشوں پر جمع ہو گئے۔ اس کے بعد آپؐ زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر مکہ تشریف لائے، اور مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ مطعم نے قریش کے لوگوں میں محمد ﷺ کو پناہ دینے کا اعلان کیا۔ یہ آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی کہ ایک کافر بھی آپؐ کو اپنے پناہ میں لینے پر راضی ہو کر آپؐ کی حفاظت کی۔

موسم حج میں دعوت اسلام:

حج کے موسم سے بھی نبی ﷺ نے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو دعوت دی۔ قریش نے آپؐ ﷺ کا راستہ روکنے کے لیے یہ قرار داد منظور کی کہ وہ جادو گر ہے وہ اپنا ایک جادو بھر اکلام لے کر آیا ہے جس کے ذریعے باپ بیٹے، بھائی

iv۔ قبیلہ کندہ: آپ بازار عکاظ^(۲۷) میں قبیلہ کندہ کے پاس ان کی قیام گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ نے ان سے زیادہ نرم مزاج قبیلہ کبھی کسی اور کو نہیں دیکھا۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی، جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ کی توحید کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اپنی جان کی حفاظت کرنے کی بھی دعوت دی۔ اس طرح حفاظت جس طرح وہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے آپ کی بات نہیں مانی۔^(۲۸)

v۔ قبیلہ کلب: آنحضرت قبیلہ کلب کے خاندان بنو عبد اللہ کے پاس ان کی قیام گاہ میں اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے۔ اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا۔ لیکن انہوں نے آپ کی پیش کردہ دعوت کو قبول نہیں کیا۔^(۲۹)

vi۔ قبیلہ بنی حنیفہ: حضور ﷺ قبیلہ بنی حنیفہ کے پاس ان کی قیام گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے سب سے زیادہ درشت الفاظ میں آپ کو جھڑک دیا اور آپ کی دعوت رد کر دی۔^(۳۰)

vii۔ قبیلہ بکر بن وائل: آپ زمانہ حج میں دوسرے قبیلوں کی طرح قبیلہ بکر بن وائل کے پاس بھی دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے ان سے ان کا قبیلہ، رعب و دبدبہ پوچھا۔ انہوں نے اہل فارس کی طاقت کی شکایت کی۔ آپ نے وظیفہ بتایا اور اہل فارس کے مغلوب ہونے کا کہا۔ اپنے آپ کو اللہ کا رسول ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے آپ کی بات پر یقین نہیں کیا۔ نہ آپ کی دعوت کو قبول کیا۔^(۳۱)

اس کے علاوہ آپ قبیلہ عبس، بنو فزارہ، غسان، بنو سلیم، بنو نصر، بنو البکاء، بنی الحارث بن کعب، بنی عذرہ، حضارمہ، ثعلبہ بن عکابہ اور بنی عبد اللہ وغیرہ کے پاس بھی دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے۔

viii۔ انصار کو دعوت: حضور ﷺ حج کے موسم میں قبائل کے پاس تشریف لے جا کر ان کو دعوت دیا کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی آپ کی بات کو نہ مانتا اور نہ آپ کی دعوت کو قبول کرتا۔ آپ مجنہ اور عکاظ اور منیٰ کے بازاروں میں ان قبائل کے پاس تشریف لے جاتے اور ہر سال جا کر ان کو دعوت دیا کرتے۔ آپ ان کے پاس کئی بار گئے لیکن آپ ان سے ناامید لوٹے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے نوازنے کا ارادہ فرمایا۔ چند انصاری آئے اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت بھی دے دی۔

نتائج:

مقالہ ہذا سے اس بات کی نشاندہی ہو گئی ہے کہ دعوت دین کی کامیابی کا انحصار دعوت کے طریقے پر ہے۔ یعنی جو طریقہ ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کا تھا۔ آپ ﷺ نے تدریجی اسلوب اختیار کر کے سب سے پہلے عقائد کی تبلیغ کی۔ حکمت کی بنیاد پر لوگوں کی مخالفت کی وجہ اور مسلمانوں کی اقلیت کی وجہ سے تین سال تک خفیہ طریقے سے تبلیغ کی۔ اس کے بعد اعلانیہ تبلیغ شروع کی۔ آسانی و سہولت اور مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھا۔ اسی طرح اس تحقیقی

مقالے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ کے کاموں اور رضامندی کے لیے جتنی مشکلات کا سامنا ہوا ان پر صبر کیا جائے۔ جیسے سرور کونین ﷺ نے کفار مکہ کی زیادتیوں اور تعذیب کو صبر کے ساتھ برداشت کیا، مگر اپنا مشن نہیں چھوڑا۔ جب کفار مکہ سے مایوس ہوئے تو دعوت کے لیے بیرون مکہ بھی گئے اور مختلف قبائل کے پاس بھی گئے۔

مراجع و حواشی

- ۱۔ القرآن، سب: ۲۸
- ۲۔ القرآن، مائدہ: ۲۷
- ۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل "صحیح بخاری"، کتاب التعبیر، باب واول مادی، رسول اللہ ﷺ من الوحي الرويا الصالحة، دہلی، مرکز جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۰۰۴ء، ج ۸، ص ۶۹۸۲
- ۴۔ ایضاً، ج ۶۹۹۹
- ۵۔ ایضاً
- ۶۔ القرآن، المدثر: ۷
- ۷۔ عبد الملک بن ہشام "سیرۃ النبی ابن ہشام"، لاہور، المیزان، ۲۰۱۰ء، ج ۱، ص ۲۲۲
- ۸۔ ایضاً، ص ۲۲۵
- ۹۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید: "سیرت سرور عالم"، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء، ج ۲، ص ۱۵۵-۱۶۱
- ۱۰۔ القرآن، الشعراء: ۲۱۴
- ۱۱۔ القرآن، الحجر: ۹۴
- ۱۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل "صحیح بخاری"، کتاب التفسیر، باب تفسیر تبتید الی لب، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، سن ندارد، ج ۴، ص ۶۱۹
- ۱۳۔ مسلم بن حجاج القشیری "صحیح مسلم"، کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک الا قرین، کراچی، مکتبہ السنۃ، ۲۰۰۰ء، ج ۱، ص ۹۸
- ۱۴۔ عبد الملک بن ہشام "سیرۃ النبی ابن ہشام"، لاہور، المیزان، ۲۰۱۰ء، ج ۱، ص ۲۲۹
- ۱۵۔ مناظر حسن گیلانی، سید، مولانا: "النبی الخاتم"، لاہور، مکتبہ اخوت، سن ندارد، ص ۴۳
- ۱۶۔ محمد سلیمان سلمان منصور پوری، قاضی: "رحمۃ للعالمین"، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، سن ندارد، ج ۱، ص ۴۳
- ۱۷۔ احمد بن حنبل، امام "مسند امام احمد بن حنبل"، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، سن ندارد، ج ۲، ص ۲۲۲
- ۱۸۔ القرآن، المہمۃ: ۱
- ۱۹۔ عبد الملک بن ہشام "سیرۃ النبی ابن ہشام"، لاہور، المیزان، ۲۰۱۰ء، ج ۱، ص ۳۷۴
- ۲۰۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۷۵
- ۲۱۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۷۶-۳۷۷
- ۲۲۔ القرآن، الجن: ۱-۲
- ۲۳۔ عبد الملک بن ہشام "سیرۃ النبی ابن ہشام"، لاہور، المیزان، ۲۰۱۰ء، ج ۱، ص ۲۳۵
- ۲۴۔ حلبی، علی ابن برہان الدین، علامہ "سیرۃ حلبیہ اردو"، کراچی، دار الاشاعت، ۲۰۰۹ء، ج ۲، ص ۲۱-۲۳
- ۲۵۔ طبری، محمد ابن جریر، علامہ، "تاریخ طبری"، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۲۰۰۴ء، ج ۲، ص ۸۸
- ۲۶۔ محمد یوسف، مولانا، کاندھلوی "حیۃ صحابہ"، لاہور، کتب خانہ فیضی، سن ندارد، ج ۱، ص ۱۱۵
- ۲۷۔ عکاظ: یہ بازار عرفات کے قریب لگتا تھا اور یہ عرب کی سب سے بڑی تجارتی منڈی تھی۔ اس میں قریش، غطفان، ہوازن، بنو اسلم اور دوسرے مختلف قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ منڈی ذوالقعدہ کے نصف سے آخر ماہ تک جاری رہتی تھی۔ ڈاکٹر شوقی ابوخلیل "اٹلس سیرت نبوی ﷺ"، ریاض، سعودی عرب، دار السلام، سن ندارد، ص ۶۱
- ۲۸۔ ابن کثیر، اسماعیل، ابوالفداء، حافظ، عماد الدین "تاریخ ابن کثیر"، کراچی، دار الاشاعت، ۲۰۰۸ء، ج ۲، ص ۱۷۶
- ۲۹۔ محمد بن جریر، علامہ، طبری: "تاریخ طبری"، ج ۲، ص ۸۸
- ۳۰۔ ایضاً
- ۳۱۔ اسماعیل بن کثیر، ابوالفداء، حافظ عماد الدین "تاریخ ابن کثیر"، کراچی، دار الاشاعت، ۲۰۰۸ء، ج ۲، ص ۱۷۶